

سرائیکی قومیتی تناظر: تہذیب و ثقافت اور ماحولیات

Saraiki National Perspective: Civilization, Culture and Environment

ڈاکٹر محمد اشرف

Abstract:

The native language of an area, not only enjoy pleasantly the natural and environmental closeness but also significantly expresses emotions and concerns of the inhabitants. Saraiki is an ancient language. This language is closely related to Sanskrit and Urdu infinitives. The ancient, cultural and traditional efficacy of this language is notable, which is being explained in this research article so that the peoples of this region are cognizant of the Saraiki language, tradition and culture compressively.

Keywords: Saraiki Landscape, Environment, Historical, Deconstruction, Cultural analysis.

کسی علاقہ کی مادری زبان نہ صرف قدرتی اور ماحولیاتی قربت سے لطف اندوز ہوتی ہے بلکہ وہاں کے باشندوں کے جذبات اور خدشات کو بھی نمایاں طور پر ختم کرتی ہے۔ سرائیکی ایک قدیم زبان ہے۔ اس زبان کا سنسکرت اور اردو جیسی غیر معمولی زبانوں سے گہرا تعلق ہے۔ اس قدیم ثقافتی اور روایتی زبان کی افادیت قابل ذکر ہے۔ جس کی وضاحت اس تحقیقی مقالے میں کی جا رہی ہے۔ تاکہ اس خطے کے لوگ سرائیکی زبان کی روایت اور ثقافت سے باخبر رہیں۔

سرائیکی لینڈ سکیپ، ماحولیات، تاریخ، نوٹشکیلیت، ثقافتی تجزیہ، شمالی وادی سندھ۔

کلیدی الفاظ:

ملتان شمالی وادی سندھ کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ اندرون دہلی، اندرون کابل، کپچ مکران، اور آذر بائیجان سے کشمیر، ہاڑہ، کالی بانگال (بھارت)، گولما (گومل) دیرہ اسماعیل خان، گنویری والا (چولستان)، موئن جو ڈیرو (سندھ)، ہڑپہ (ساہیوال) تک کے علاقہ جات صوبہ ملتان کی ملکیت رہے ہیں۔ ملتان کے قدیم نام سامب پورہ، آمب پورہ، کیشپ پورہ، بھاگ پورہ، مول استھانہ، مول استھان، مولتان تھے۔ انیسویں صدی میں مولتان، ملتان کے نام سے معروف ہوا۔

مستنصر حسین تارڑ نے اپنے ناول بہاؤ میں سرائیکی تہذیب کے ابتدائی نقوش کو اجاگر کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ناول میں: کالی بانگال، حال (بھارت)، چولستان (صحرائے بہاول پور)، ہڑپہ (ساہیوال) اور موئن جو ڈیرو (سندھ) کے علاقوں کو دریائے گھاگرا (ہاڑہ) کے کنارے آباد تہذیب کے اساطیری وجود کے رنگ و روپ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس میں ایک نسائی کردار ”پاروشی“ اپنے زمانے کے ماحولیاتی ارتقاء کے ساتھ کہانی کے ابتدائی تار و پود تیار کرتی ہے۔ مذکورہ بالا تمام علاقہ جات ہی سرائیکی وسیب اور سرائیکی تہذیب و ثقافت اور سرائیکی قوم کے ماحولیاتی ارتقاء کے بنیاد کار ہیں، موجودہ ملتان اور سندھ اُس زمانے میں



ایک ہی وادی سندھ کے طور پر جانے جاتے تھے، جنھیں شمالی اور جنوبی وادی سندھ کہا جاتا تھا۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق اپنے ایک مضمون ”بہاؤ: تاریخ و تہذیب کا سنگم“ میں لکھتی ہیں:

ناول بہاؤ، قبل تاریخ کے دور کی باز آفرینی کرتا ہے، جب دریائے سندھ کی گھاٹی میں شمال مغرب کی جانب سے آریاؤں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس دور کی جو ۲۳۰۰ ق م سے ۷۵۰ ق م پر مبنی مربوط تاریخ نہیں ملتی، لیکن کھدائیوں، سکوں، مہروں، برتنوں اور اوزاروں وغیرہ کی مدد سے مؤرخین نے جنوب ایشیا کی اس عظیم تہذیب پر تحقیقی نتائج برآمد کیے ہیں۔^۱

خشنگ ہو جانے والا دریائے ہاکڑہ، کے بیٹ اور مضافاتی زرعی علاقے قدیم سرانیکس باشندوں کا گہوارہ تھے، ان باشندوں کو کیکہل، کٹانے، اوڈ، اور پکھی واس کہا جاتا تھا، جو بندر اور ریچھ کا تماشا دکھاتے یا پھر خانہ بدوشوں کے طور پر ایک خطے سے دوسرے خطے کی طرف مراجعت کرتے تھے۔ جنگلات سے بھرے ہوئے ان دریائی علاقوں کے قدیم باشندے دریاؤں کے کناروں پر آباد ہوتے، زرعی اجناس اور فصلیں کاشت کرتے، موسمی حالات کے مطابق اپنے رہن سہن اور معمولات زندگی کو طے کرتے اور کشتیوں پر سفر کیا کرتے تھے، وہ دیسی ٹونے ٹونکوں کے ذریعے سے علاج کرتے، کچے گارے سے اینٹیں بناتے، خجروں اور گدھوں پر سواری کرتے اور شکار کو اپنی خوراک کا وسیلہ بناتے تھے۔ ناول ”بہاؤ“ میں، اس تہذیب کے ابتدائی نقوش کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

ڈورگا، گاگری اور پاروشی کی بستی میں جا پہنچتا ہے، وہ لوگ کشتی کے ذریعے سے کالی بانگاں (بھارت) سے مونجو تک آتے جاتے ہیں۔ یہاں مونجو میں گارے سے بنائی گئی اینٹیں، گدھوں پر لاد کر بستی تک لائی جاتی ہیں اور پھر انھیں پکانے کے بعد کچے مکان بنائے جاتے ہیں۔ کچی اینٹوں کیلئے بنایا جانے والا گاراڈھو ڈھو کر، ڈورگا کی کمر جھک گئی ہے۔^۲

مدرسہ نظام میں، عورت ہی طاقت کا سرچشمہ تھی، اسے یہ حق حاصل تھا کہ وہ ایک سے زیادہ مردوں سے تعلق قائم کرے یا پھر اپنے لیے شوہر کا انتخاب خود کرے، اسے اس عہد میں، ترے مت (تریت) یعنی تین گائیوں کی طاقت رکھنے والی کہا جاتا تھا۔ اس دور سے بہت پہلے فارس سے آنے والوں نے ملتان کو اپنا مرکز بنایا تھا۔ انھوں نے پہلے پہلے آتش پرستی کو بطور مذہب اختیار کیا اور پھر ۲۰۰۰ قبل مسیح میں



یہاں سورج پرستوں نے قدم رکھا، سورج میانی اور سورج کنڈ ملتان میں عبادت گاہیں اور سورج مندر تعمیر کیے، جہاں انھوں نے تالاب بھی بنائے جن کی باقیات اب بھی موجود ہیں۔ انھی قبائل کی ابتدائی زبان سنسکرت کے طور پر وجود میں آئی، سنسکرت زبان کی ایک تحریر لوح کی صورت میں آج بھی سورج کنڈ ملتان کے مندر کے سامنے کی دیوار میں نصب ہے۔

ایک عرصہ تک ملتان سے راوی کی ایک شاخ براستہ سکندر آباد شجاع آباد تک جاتی تھی جس میں کشتیوں پر سفر کیا جاتا تھا۔ سکندر آباد قدیم دریائی بندرگاہ کے طور پر مشہور رہا۔ اس عہد کو ۲۵۰۰ سال قبل مسیح مانا جائے تو ملتان کی تہذیبی اور ثقافتی قدامت پانچ ہزار سال تک کے عرصہ تک محیط دکھائی دیتی ہے۔ علامہ عتیق فکری اس حوالے سے اپنی تصنیف نقشِ ملتان میں لکھتے ہیں کہ ”قلعہ قدیم سے نکلا ہوا رسم الخط موئن جو ڈیر اور ہڑپہ کی تہذیب کا ہم عصر ہے اور یوں ملتان اور اس کے گرد و نواح کی تہذیب ۲۵۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ متعین ہو جاتی ہے۔“^۳ جب کہ زبانوں کے خاندان کے حوالے سے دیکھیں تو:-

انڈو یورپین زبانوں کے خاندان کے بولنے والوں کی تعداد دنیا میں کسی بھی اور زبانوں کے خاندان کے بولنے والوں سے زیادہ ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے بھی زبانوں کا یہ خاندان دنیا کے ایک وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ سرائیکی، سنسکرت، اردو، بنگالی، ہندی، پشتو، فارسی، کرد، روسی، جرمن، فرانسیسی، دانش، ولندیزی اور انگریزی ایک ہی ہند یورپی خاندان کی ملکیت ہیں۔^۴

ملتان اس حوالے سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ہندومت کا آغاز بھی اسی خطے سے ہوا۔ غلام اصغر خان کے بہ قول ”ہندو“ ایک اصطلاح کے طور پر وادی سندھ کے باشندوں کے لیے مستعمل ہوئی، کیوں کہ ایرانی ”سندھ“ کو ”ہند“ کہتے تھے اور یونانی اسی کو ”انڈس“ کہتے تھے۔ اسی حوالے سے دریائے سندھ کی وادی بھی اسی لحاظ سے بالترتیب ’ہندستان‘ اور ’انڈس وِلی‘ کہلانے لگی۔ جس کے لحاظ سے ’ہندو‘ اور ’انڈین‘ وادی سندھ کے باشندوں کے لیے کہا جاتا تھا۔ بعد میں سنانن دھرم کو ’ہندومت‘ کا نام اسی جغرافیائی نام کی وجہ سے ملا۔^۵ الغرض ’ہندومت‘ کا ارتقا اسی وادی سندھ میں ہوا جس کا مرکز ملتان تھا۔ سنی اور موسیقی کا جنم ملتان میں ہوا۔ ہولی کا توار بھی ملتان سے منسوب ہے۔ علامہ عتیق فکری ملتان میں ہندو مذہب کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”ملتان ہی قبل از اسلام، ہندوؤں کا مقدس مقام تھا، اس کی یاترا یعنی زیارت گناہوں کا کفارہ ہوتی تھی۔ اسی ملتان کو عرب ”بیت الذہب“ یعنی ’سونے کا گھر‘ کہتے تھے، عقیدت مند

راجوں، رشیوں، اور عوام زائرین کی حسب استطاعت دولت اسی شہر کے مندروں میں اکٹھی ہوتی تھی۔ سورج دیوتا، شیو دیوتا اور بدھ کا مندر دولت کا مرکز تھے۔^۶

۳۰۰۰ قبل مسیح، سومیرین عہد میں سندھ اور مصر میں تجارت ہوا کرتی تھی، جو کہ بارٹر ٹریڈ (اشیاء کا اشیاء کے ساتھ تبادلے کے نظام) پر مشتمل تھی۔ جب مصر میں فرعون کی حکومت تھی، تب ملتان میں بھی ہرناکیشپ، نامی بادشاہ حکومت کرتا تھا، جو خود کو خدا کہلواتا تھا۔ وادی سندھ میں اسی دور میں ہی برتن بنانے والا چاک وجود میں آیا تھا، اور کچی مٹی سے برتن بنا کر پکائے جانے لگے تھے۔ اس عمل کی شروعات جنوبی وادی سندھ کے تہذیبی مرکز موئن جو ڈیرو سے ہوئی تھی۔ جب کہ اشاراتی اور صوری اشکال سے زبان کے ابتدائی رسم الخط کا آغاز بھی اسی دور سے ہوا تھا۔ جس کے نمونے قدیم وادی سندھ اور قلعہ ملتان کی کھدائی کے بعد سامنے آئے ہیں۔ اس عہد کے قدیم رسم الخط کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ:

لسانی حوالے سے بھی یہی دور اہم ہے جس میں قدیم سامی رسم الخط موہن جو ڈیرو کا خط اور ملتان قدیم قلعہ سے نکلے ہوئے الفاظ کے نمونوں میں مماثلت نظر آتی ہے۔^۷

ملتان میں دریاؤں کے کنارے جو وید لکھے گئے ان میں مقامی تہذیب و ثقافت کے حوالے موجود ملتے ہیں۔ جن میں درخت کی درخت کے ساتھ شادی، اوشا (صبح صبح نہانا) کے تصورات موجود تھے۔ ہندومت سے پہلے یہاں بدھ مت مذہب کے پرچارک آباد تھے۔ جنہوں نے ادب احترام آدمیت حتیٰ کہ جانداروں کے وجود کا بھی خیال رکھنے اور دھرتی پر خون نہ بہانے کے اصول دیے۔ ایک قیاس ہے کہ، قدیم اپ بھرنش سرائیکی زبان کی ابتدائی شکل ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق میں تحریر کرتے ہیں کہ ”سرائیکی اور اردو کے مصادر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔“ جب کہ سید علی شاہ ملتانی اپنی کتاب ملتانی زبان کیا ہے؟ میں لکھتے ہیں:-

اگرچہ سنسکرت اور پالی زبان سے ملتان کے لوگوں کے مذہبی رشتہ کو منقطع ہونے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے تاہم ہماری الفباء اب بھی سنسکرت زبان سے ملتی جلتی ہے۔ ری، لری، لری، لری، کو چھوڑ کر باقی تمام سنسکرتی حروف ہماری زبان میں پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ انک اور انچ بھی۔ اس کے برخلاف ہندی زبان میں ان دو آوازوں کا فقدان ہے۔ چنانچہ یوپی کے باشندے، چنگاں کو چنگا، کہہ کر ہی بولتے ہیں۔^۸

اردو	سنسکرت	فارسی	سرائیکی	ہندی
دودھ	آکشیرم	شیر	کھیر	دودھ
پیاس	ترس	تشنگی	تریبہ	پیاس
بھائی	بھرتری	برادر	بھرا	بھائی

ہرناکیشپ نے خدا کے طور پر ملتان قلعے کے مشرق کی طرف، چودہ میٹر بلند سونے کا ایک بت نصب کروایا جسے ”مترا“ کا نام دیا گیا۔ ہرناکیشپ عہد کے بعد اس کے بیٹے پرہلا د بھگت نے ملتان کی بادشاہت سنبھالی۔ وہ ”فرعونیت“ کے بعد اس خطے کا پہلا موحد تھا۔ اس نے پرہلا مندر عین اس جگہ تعمیر کرایا جہاں اب محمد بن قاسم کی طرف سے تعمیر کی گئی مسجد موجود ہے۔ ملتان پر قرامطیوں کے حملوں کے بعد مندر اور مسجد تو قائم رہے لیکن، مترا کا قدیم بت وہاں سے غائب کر دیا گیا۔ کچھ ماہرین آثار قدیمہ اس بت کو لکڑی کا بتاتے ہیں جس کی آنکھیں یا قوت اور مرجان کی تھیں۔ جب کہ روایات کے مطابق ”راجہ ہرناکیشپ (جس کے نام پر ملتان شہر کا پرانا نام کیشپ پورہ تھا اور وہ خود کو بارہ دیوتاؤں یا سورج دیوتاؤں کا باپ کہلواتا تھا) نے سب سے پہلے خود کو سورج دیوتا کہلویا اور اپنا پلائی مجسمہ بنوا کر لوگوں کو اس کی عبادت پر مجبور کیا۔“^۹

جلیل پور میں کھدائی کے آثار سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ملتان پانچ ہزار سال سے آباد چلا آ رہا ہے۔ علامہ عتیق فکری اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ”ملتان سے چند میل دور جلیل پور کی کھدائی نے مزید شہادت پیش کر دی ہے کہ ملتان کے علاقہ شہر و قلعہ کی تہذیبی زندگی کی قدامت یقینی ہے۔“^{۱۰}

وادی سندھ کی تہذیب دنیا کی خوش حال تر، زرخیز ترین، اور ہزاروں سال سے آباد تہذیب ہے۔ یہاں کے رسوم و رواج، جادو ٹونے، بیٹ، فصلیں، مقامی اور موسمی پھل، زمین دوز کنویں، قدیمی نکاسی و فراہمی آب کے نمونے، اینٹوں کی پکائی کی قدیم بھٹیاں، بھٹ، مراٹی، نائی، کسب گر، نیل گر، دستکار، سوت کار، روغن بنانے والے، ڈیر اور، ملتان، شجاع آباد، فورٹ عباس، مظفر گڑھ، اور روہتاس جیسے قدیم قلعے، ان قلعوں سے متصل فصیلیں اور بازار، ریچھوں، اونٹوں، کتوں، اور بندروں کے تماشے اور دنگل، مندروں اور مزاروں کی رسومات اور میلے ٹھیلے، منگولوں، ایرانیوں، افغانوں اور عربوں کی حملہ آوری، قلعہ دراوڑ کا سنار بازار، ملتان سے اوچ اور اوچ سے جیسلمیر تک کے اسفار، اسی طرح ایران و افغانستان سے ملتان اور ملتان

سے قصور اور دہلی کے اسفار، باہر کی دنیا کے حملہ آور فوجیوں کی سنائی گئی کہانیاں اور قصے، مقامی غذائیں، دیسی پکوان، مکھن، سرسوں کا ساگ، لسی، چرخہ، سوت، جوار مکئی اور چاول کی روٹی، گڑ، گنا، نکوں، کپاس اور اس سے تیار کیے جانے والے ملبوسات، سرخ آندھیاں، بکروال، کالی گھٹائیں اور شادی بیاہ یا پھر موت کی رسمیں ہر اعتبار سے یہ خطہ اپنے رہن سہن اور رسموں ریتوں کے حساب سے ہزاروں سالوں سے ایک الگ منفرد شناخت کا حامل ہے۔ جس پر دنیا بھر کی تہذیبیں رشک کرتی ہیں کہ اس کے لازوال کرداروں میں سسی پنوں، ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال کی رومانوی داستانوں کی گہری چھاپ موجود ہے۔

ملتان میں متصوفانہ شاعری کے حوالے سے بابا فرید، شاہ حسین، نور محمد مہاروی، شاہ شمس، علی حیدر ملتانی، گانمن شہید، حافظ جمال اللہ ملتانی کے علاوہ شہزادہ محمد قآن کی بادشاہت کے زمانے میں امیر خسرو کی قائم رہنے کی وجہ سے اس نام کو بھی اس فہرست میں گنا جاتا ہے۔ اسی دور میں ایران سے معروف شاعر طالب اسملی نے بھی ملتان میں کچھ وقت گزارا۔

مڑپچے، ماڑ، روہیلہ، تھلوی، اور دامانیوں عربوں کی آمد سے پچھ سو سال پہلے سکندر مقدونی کی معیت میں ایک بڑی فوج نے ملتان تلنہ اور پھر سندھ کا رخ کیا۔ ملی قوم نے ان کا ملتان میں ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سکندر کی فوج کو قلعے میں داخل نہ ہونے دیا۔ اس کے قریب ہزار سال بعد ۷۱۲ء میں عرب ملتان پر قابض ہوئے اور یہاں اسلام کی اشاعت کی۔ یوں یہ خطہ ملتان ایک عظیم اسلامی صوبے کی صورت میں رو پزیر ہوا۔ عربوں کے اس لشکر میں، اریحہ، غزہ شام اور سعودی عرب سے تعلق رکھنے والے سلیمی، الراعی، انصاری اور بنو تمیم (تھیم) نامی قبائل کی اکثریت تھی جنہوں نے یہاں کے مقامی بادشاہ راجہ داہر کو شکست دی اور پھر سندھ سے شمالی سندھ کی طرف کا رخ کرتے ہوئے ملتان پر اپنی حکومت کی۔ ان قبائل کی ملکیت میں بڑی دار زرعی جاگیریں آئیں۔ محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا گیا۔ اس کے بعد بھی یہاں کوئی مقامی بادشاہ اپنی حکومت قائم نہ رکھ سکا اور مغرب سے افغانی یا وسط ایشیائی یہاں حملہ آور ہوتے رہے اور اپنی حکومتیں قائم کرتے رہے۔ سکھوں نے اٹھارہویں صدی میں دوبارہ نجیت سنگھ کی قیادت میں ملتان پر حملہ کیا مگر انھیں کامیابی نہ مل سکی بالآخر ۱۸۱۸ء میں کھڑک سنگھ فرزند نجیت سنگھ کی قیادت میں سکھوں نے ملتان کے مقامی سدوزئی حکم ران مظفر خان کو اس کے پانچ بیٹوں اور بیٹی بخت بھرائی سمیت شہید کر دیا اور

ملتان پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ سکھوں کا یہ لشکر کھڑک سنگھ کی قیادت میں شجاع آباد بھی پہنچا اور نواب شجاع خان کی قبر پر فائرنگ کرتے ہوئے کھڑک سنگھ نے نعرہ لگایا۔ (اٹھ اوئے سو بے آ) ملتان کے حاکم کے طور پر دیوان ساون مل کو تخت پر بٹھایا گیا۔ کچھ عرصہ بعد دیوان کو ایک مقامی سپاہی نے قتل کر دیا تو تخت دیوان کے بیٹے دیوان مول راج کی ملکیت ہوا، جس نے یہاں ملتان میں انگریز فوج کی آمد ۱۸۴۸ء تک حکومت کی۔ ۱۸۴۸ء میں انگریز حکومت نے اپنے دو انگریز افسران، ولسن اور اینڈرسن کو دیوان مول راج کے پاس ملتان بھیجا اور پیغام بھجوایا کہ ملتان کی حکومت پُر امن طور پر انگریزوں کو سونپ دی جائے مگر ملتان حکومت نے ان افسران کو قتل کر دیا جس کی پاداش میں انگریز فوج آگ بگولہ ہو گئی اور پھر انگریزی فوج نے توپوں کے ساتھ ملتان کا رخ کر لیا، یہاں گھمسان کی جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں قلعہ ملتان تباہ ہو گیا، اور دیوان مول راج کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔

قیام پاکستان سے پہلے خواجہ غلام فرید، حمل لغاری، بیدل فقیر سندھی، سچل سرمست، حضرت غلام حسین، جب کہ قیام پاکستان کے بعد علامہ عبدالرشید طاووت، اور ازاں بعد کشفی ملتانی، امید ملتانی، ن م راشد اور مجید امجد کا بھی گہوارہ رہا۔ اقبال سوکڑی، فاروق روکھڑی، شاکر شجاع آبادی، اشولال، عاشق بزدار، محبوب تابش، جہانگیر مخلص، امان اللہ ارشد اور رفعت عباس لمحہ موجود کے ملتان کے بڑے تل و طنی اور مقامی شعراء ہیں جن کی شاعری میں ملتان کی مقامی تہذیب و ثقافت کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں اور ملتانی سرانسیکی زبان کی مٹھاس کا اصل ذائقہ بھی۔

دریائے ہائرہ سے نکلنے والی کاک نندی زمانے کے ساتھ صحرا برد ہو گئی، ہائرہ سوکھ گیا اور ڈیر اور قلعہ کاییتل کے پیندے والا تالاب بھی خشک ہوتا چلا گیا۔ چولستان کے ٹھیسرہ کہ جہاں پیدل چلنے والے قافلے صحرائی اسفار کی تھکن مٹاتے تھے، ویران ہو گئے۔ ٹو بھے کہیں نہری پانیوں سے آباد ہوئے تو کہیں کہیں ستلج کا پانی روہی تک پہنچتا رہا مگر ۱۹۶۰ء کے سندھ طاس معاہدے کے بعد ستلج نے بھی موت کی چادر اوڑھ لی۔

پاکستان کے قیام کے بعد ریاست بہاول پور پاکستان میں شامل ہوئی تو اسے بعد میں صوبہ کی حیثیت دے دی گئی، مگر جب پاکستان میں ون یونٹ کا قیام (۱۹۵۵ء) عمل میں آیا تو اس بہاول پور صوبہ کو ویسے ہی صوبہ پنجاب میں ضم کر دیا گیا جیسے ۱۸۴۸ء میں ملتان کی صوبائی حیثیت ختم کر کے پنجاب صوبہ میں ضم کر دیا گیا تھا۔ فرق یہ تھا کہ پہلے والا عمل انگریز نے کیا تھا جب کہ بعد والا عمل نئے ملک کی مخصوص

بیورو کر لیا۔ یوں صوبائی دارالحکومت کی حیثیت سے لاہور ملک کے نقشے پر ایک طاقتور شہر کے طور پر ابھرا اور یوں سرانیکسی قومیت کا اثر و رسوخ کم ہوتا چلا گیا اور صوبائی یا ملکی سطح کی اعلیٰ ملازمتوں کا زیادہ تر کوٹا لاہور اور لاہور کے مضافاتی علاقوں کو ملنے لگا۔ اس تفریق کے نتیجے میں ملتان، ڈیرہ غازی خان اور بہاول پور جیسے زرعی علاقے صنعتی اور ملکی خدمات کے لحاظ سے پیچھے رہ گئے۔ یوں ان خطوں میں مقامت، مقامی ثقافت، زبان و ادب اور سماجی و معاشی حقوق کے حصول کے حوالے سے عدم تحفظ کا احساس اجاگر ہوا۔ جس کے باعث یہاں کے مقامی شعراء کار و باری طبقات اور دانش وروں نے مزاحمتی ادب تخلیق کیا اور اس احتجاج کے نتیجے میں عاشق بزدار کی کتاب ”اساں قیدی تخت لہور دے“ چھپ کر سامنے آئی۔ بالآخر یہاں کے کچھ اہم مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے یہاں اکادمی ادبیات کا دفتر قائم کیا گیا، پی ٹی وی ہوم کا نشریاتی اسٹیشن قائم کیا گیا، جہاں سے روزانہ ۶ گھنٹے کی لائیو نشریات آن ایئر جاتی ہیں۔ اب عہد موجود میں جنوبی پنجاب سیکریٹریٹ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا تاکہ یہاں کے لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو، اسی طرح اعلیٰ ملازمتوں کے کوٹے کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ کمیشن سروسز کے ذیلی دفاتر بھی سرانیکسی علاقوں میں قائم کر دیے گئے ہیں جو کہ خوش کن اقدامات گردانے جاسکتے ہیں۔

انگریز مستشرقین نے یہاں آمد اور قبضے کے بعد لسانیات اور سرانیکسی گرامر پر بھی توجہ دی اور مختلف علاقوں میں بولی جانے والی اس وقت کی زبان کو جھنگوچی، ڈیرے وال، ملتانی، اور ریاستی یا بہاول پوری کا نام دیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد شائع ہونے والے ملتان گزیٹو میں جن شعراء کا حوالہ ملتا ہے ان میں خواجہ غلام فرید کا ذکر موجود ہے۔ ای اور ان کی Glossary Of The Multani Language اور ایف ڈبلیو سکیمپ کی مرتب کی ہوئی Multani stories انگریز مستشرقین کی سرانیکسی زبان پر تحقیق کی عمدہ مثالیں ہیں۔

تقسیم کے بعد ہجرت ہوئی تو یہاں ملتان بہاول پور مظفر گڑھ اور دوسرے بڑے شہروں سے سرانیکسی بولنے والے ہندو بھارت کی طرف ہجرت کر گئے جب کہ ان کی جگہ جو مہاجرین یہاں سرانیکسی وسیب میں آئے وہ شہروں میں آکر آباد ہو گئے۔ یوں ان اقوام کا یہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ جلد انضمام نہ ہو سکا جس کی وجہ سے سیاسی اور سماجی سطح پر سرانیکسی بولنے والا وسیب پسماندگی کا شکار رہا۔ اس کے علاوہ یہاں سرانیکسی وسیب میں ترقی کا عمل بھی بہت دیر سے شروع ہوا جب کہ دریائے چناب کے پار کے علاقوں اور جھنگ کو تا دیر پسماندہ رکھا گیا۔ لیکن اب یہاں کے تمام زبانیں بولنے والے یہ سیاسی شعور حاصل کر چکے ہیں

کہ یہ ان سب کا خطہ ہے جس کی ترقی اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے انھیں مل کر آگے چلنا ہے۔ یہاں سرانیکسی خطے کے لوگ بارڈرز سے دوری کی وجہ سے بیرون ملک اور سمندر کے راستے تجارت کرنے کی بجائے زیادہ تر مزدوری پیشہ سے وابستہ ہوئے یا پھر انھوں نے خلیجی ممالک کا رخ کیا۔ جب کہ تاجران اور بڑے زمیندار اپنے علاقوں میں تجارت زرعی پیداوار اور سیاست سے وابستہ رہے، اپنے ارتقاء سے لے کر عہد موجود میں اپنی تہذیب و ثقافت کی نو تشکیلیت تک سرانیکسی تہذیب و ثقافت اور زبان ہمیشہ ترقی کرتے رہے ہیں۔ یہاں کے مقامی ماحول اور ادب و ثقافت نے کبھی بھی کسی اور تہذیب ثقافتی یا پھر لسانیاتی استعماریت کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ جو قبائل اور اقوام بھی باہر سے یہاں آکر آباد ہوئے یہاں کی زبان بولنے والے ان میں گھل مل گئے۔ اس وقت ملک میں بولی جانے والی مقامی زبانوں میں سرانیکسی دوسری بڑی زبان ہے، جس کا اپنا ایک مخصوص جغرافیہ، مخصوص ثقافت، اور مخصوص رسوم و رواج ہیں۔ اس زبان کی اہمیت اور شہرت کا اندازہ اس امر سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے کہ یہ زبان، آذربائیجان، کابل، دہلی، اندرون سندھ، اندرون بلوچستان، اندرون خیبر پختون خوا، ڈیرہ اسماعیل خاں، اور صوبہ پنجاب کے بیس اضلاع میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

حواشی

- ۱۔ ڈاکٹر حمیر الشفاق، ادب کا تاریخی اور تہذیبی تناظر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ۱۴۵۔
- ۲۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)۔
- ۳۔ علامہ عتیق فکری، نقشِ ملتان (ملتان: فکری اکیڈمی و مجلس تاریخ و ثقافت، جنوری ۱۹۸۲ء)، ۱۵۔
- ۴۔ سنسکرت، آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا <https://ur.wikipedia.org/wiki/سنسکرت>۔
- ۵۔ غلام اصغر خان، نظریہ قومیت: عالمی و مقامی تناظر (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)، ۲۶۳۔
- ۶۔ علامہ عتیق فکری، نقشِ ملتان، ۱۵۔
- ۷۔ ڈاکٹر پران ناتھ، ٹائمز میگزین ۱۹۳۵ء، بحوالہ: نقشِ ملتان، ۳۶-۳۷۔
- ۸۔ سید علی شاہ ملتانی، ملتانی زبان کیا ہے؟ ترتیب و تدوین، رضوانہ سید علی (راولپنڈی: آواز پبلی کیشنز، اقبال مارکیٹ، کئیٹی چوک، جولائی ۲۰۱۹ء)، ۸۳۔
- ۹۔ لبرٹی کا مجسمہ اصل میں — ”متر“ کا مجسمہ ہے۔ (www.facebook.com/history and information)۔
- ۱۰۔ علامہ عتیق فکری، نقشِ ملتان، ۳۵۔